از جناب ڈاکٹر شبیر بہادر خان صاحب پنّی

مولانا ابوالکلام آزاد اور پاکستان

تصویر کا ایک حقیقی رُخ!

ڈاکٹر شبیر بہادر خان پنّی ملک کی ایک مشہور علم دوست شخصیت ہیں۔ پیشہ کے لحاظ سے تو وہ ڈاکٹر ہیں مگر اپنے اعلیٰ علمی ذوق کی بنا پر ہمیشہ نامور اہلِ علم و قلم سے ان کے قریبی تعلقات اور روابط رہے ہیں۔ انہی ارباب دانش میں سے مولانا ابوالکلام آزاد کی نابغۂ روزگار شخصیت بھی ہے جن سے ان کو والہانہ عقیدت ہے۔ ابھی حال ہی میں ان کی ایک کتاب" دیدہ و شنیدہ" منظرِ عام پر آئی ہے۔ جو دراصل ملک کے مختلف شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھنے والے مشاہیر کا گویا تذکرہ ہے۔

اس کتاب میں ایک مقالہ مولانا ابوالکلام کی شخصیت پر بھی ہے۔ ہم اس مقالے کا کچھ حصہ "الحق" میں شائع کر رہے ہیں۔ تاکہ مولانا کے سیاسی افکار انہیں قریب سے جاننے والے ایک شخص کی وساطت سے قارئین کے سامنے آسکیں۔ اور انہیں مولانا کے متعلق ایک متوازن رائے قائم کرنے میں مدد مل سکے۔

اس اقتباس کے لئے ہم "میثاق" لاہور کے ممنون ہیں (ادارہ)

قوم کی وجہ ناراضگی | سیاسی اُمور میں رائے کے اختلاف سے قوم میں ان سے ناراضی شروع ہوئی۔ حالانکہ سیاسی اُمور میں اختلاف رائے ایک بدیہی امر ہے۔ چونکہ اس میں وحی کا عنصر نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہر ایک کی رائے اپنے ذاتی علم، تجربہ اور بصیرت پر مبنی ہوتی ہے۔ اس واسطے کسی کی رائے پر ایمان نہیں لایا جا سکتا۔ سیاسیات میں کوئی شے قطعی نہیں ہوتی۔ یہ جامد نہیں کہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکتی ہو۔ اس میں حالات کے مطابق تغیّر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ جہاں تک میں ان کی تحریروں، تقریروں اور بالمشافہ گفتگو سے سمجھ سکا۔ ان کی رائے تھی کہ ہندوستان کی مکمل آزادی ہندو مسلم اتحاد پر منحصر ہے اور ہندوستان کی آزادی کو وہ مسلم ممالک (مشرقِ وسطیٰ) کی آزادی کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔

اقتباس از سیرت مولانا داؤد غزنویؒ | مولانا ابوالکلام آزاد اس برصغیر میں علامہ جمال الدین افغانیؒ کے ایک طرح کے نائب تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے شاگرد اور جانشین صادق تھے ان حضرات کا نظریہ یہ تھا کہ اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کا طاقتور حریف انگریز ہے۔ اس لئے انہوں نے اور اُن کے

رفقاء نے اپنی ساری قوتیں اس امر کے لئے وقف کر دیں کہ اس ملک سے انگریز کو نکال دیا جائے یہی وقت کا سب سے بڑا جہاد اور اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے اس نظریہ کے تحت انہوں نے ہر اس پتھر کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی جو انگریز کے اقتدار کے لئے اس ملک میں ممد و معاون ہو سکتا تھا۔ ہر اس بت کو توڑنے کی کوشش کی جس کی پرستش سے انگریز کا تقرب حاصل ہو سکتا تھا۔

مولانا آزاد ہندو کی تنگ نظری سے واقف تھے اور اس پر گرفت بھی کرتے رہتے تھے چونکہ ان کو مسلم ممالک کی آزادی عزیز تھی لہذا اس کے حصول کے لئے وہ گاندھی جی (ہندوؤں) سے تعاون کے حق میں تھے۔ ان کے قلبی تعلق کے کیف کا اندازہ جو ان کو مسلمانوں سے تھا۔ ان کے اقوال و افکار سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے اور ان کی زندگی کے یہی اوراق ہیں۔ جن کے مطالعہ سے ان کی اچھائی اور برائی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ان کی زندگی کے چند اوراق | خان عبدالغفار خاں اپنی "آپ بیتی" جو انہوں نے خود لکھوائی، میں یوں اظہار خیال کرتے ہیں، "جب کانگرس نے تقسیم ملک پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے انہوں نے تمام پٹھانوں کو موت کی سزا سنا دی، میں بے حد پریشان تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد میرے قریب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ اب آپ کو مسلم لیگ میں شامل ہو جانا چاہئے"

اگر خان عبدالغفار خاں ان کا مشورہ قبول کر لیتے تو یقیناً ان کی پارٹی۔ قوم اور ملک کے لئے بہتر ہوتا لیکن انہوں نے نہ مانا۔ انجام سامنے ہے۔

۲۔ مولانا آزاد نے مولانا داؤد غزنوی کو بھی یہی مشورہ دیا تھا ہفت روزہ "چٹان" لاہور اپنی اشاعت مورخہ ۲۴، ۳۰ دسمبر ۱۹۶۷ء میں لکھتا ہے:۔

"بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہو گی کہ پنجاب و سرحد وغیرہ کے جن سیاسی رہنماؤں کو مولانا آزاد نے مسلم لیگ میں شامل ہو جانے کا مشورہ دیا تھا ان میں مولانا داؤد غزنوی بھی تھے وہ بے جھجک مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔"

آغا شورش کاشمیری اپنی کتاب "بوئے گل نالۂ دل دود چراغ محفل" کے صفحہ ۴۲۲ پر لکھتے ہیں:

"یہ حالات موجودہ مولانا آزاد نے کہا مسلمانوں کے لئے دو ہی راستے ہیں ایک راستہ تو وہ ہے جو میں نے اختیار کیا۔ لیکن مسلمانوں نے من حیث الکل اس پر چلنے سے انکار کر دیا۔ دوسرا راستہ وہ ہے جو ان کے لئے لیگ نے بنا دیا ہے۔ مسلمان میرے ساتھ نہیں چلتے، نہ چلیں لیکن میری یہ خواہش ضرور ہے کہ تنظیم کی زندگی بسر کریں۔ ایک بھیڑ نہ رہیں ہمیشہ قوت اور تنظیم ہی کی قدر کی جاتی ہے"

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ان دنوں دہلی میں تھے انہیں بلوایا اور کہا:۔

"آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ حالات یکسر تبدیل ہو گئے ہیں۔ ادھر اُدھر کا راستہ نہیں رہا۔ ایک راستہ بن چکا ہے جس سے اب انکار نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے چاہا کہ مسلمان میرے ساتھ آجائیں۔ لیکن مسلمانوں نے اعراض کیا۔ میری بات کچھ تو ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ کچھ حالات اس طرح کے بن گئے کہ ان کے لئے لیگ ہی کا راستہ پسندیدہ ہو گیا۔ اب اس کے حسن و قبح پر بحث کا سوال نہیں۔ اب ایک طے شدہ راستہ پر مسلمانوں کے سفر کا سوال ہے اگر ہم ہندوستان کے علاوہ مسلمانوں کے لئے بھی سوچتے رہے ہیں تو میں آپ کو اور آپ کی وساطت سے احرار کو مشورہ دوں گا کہ آپ لوگ جو پاکستان کے صوبوں میں رہ رہے ہیں مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں تاکہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے۔ اور معاملہ کسی دشواری کے بغیر حل ہو جائے۔ دوسرا فائدہ جو اس سے پہنچے گا۔ یہ ہو گا کہ مسلمانوں میں آپ لوگوں کا اعتماد بحال ہو جائے گا۔ اس وقت مسلمان جذبات کے عالم میں ہیں۔ انہیں غصہ بھی ہے، ناراضی بھی ہے اور شاید بڑی حد تک نفرت بھی۔ یہ سب ختم ہو جائیں گے۔ پاکستان بن جانے کے بعد جب سیاسی موقع پرستوں اور انگریزی حکومت کے موروثی اہل کاروں سے واسطہ پڑے گا تو ان کی طبیعتیں دوبارہ غور و فکر کی طرف لوٹیں گی۔ اُس وقت آپ ان کا ہاتھ تھام سکتے اور پاکستان کی آزادی کو اغوا ہونے سے بچا سکتے ہیں۔"

مسلم لیگ کے پنجاب میں بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کے متعلق "نوائے وقت" ۱۷ نومبر ۱۹۷۰ء میں ایک نوٹ از قلم میاں محمد شفیع مشہور مسلم لیگی لیڈر شائع ہوا۔ عنوان ہے "مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق ایک تاریخی واقعہ" جو حرف بحرف درج ذیل کیا جاتا ہے:

"شیخ محمد اشرف لاہور کی ایک معروف شخصیت ہیں وہ برصغیر میں کتابیں چھاپنے کے میدان میں ہندوؤں کے مقابلے میں بھی ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ پاکستان کے قیام کے بعد انہوں نے اسلام پر بے شمار قابل قدر کتابیں شائع کیں۔ وہ پاکستان میں اہل حدیث کی تنظیم میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے ایک ملاقات میں مجھے مولانا ابوالکلام آزاد کے حوالے سے ایک واقعہ سنایا جسے میں ایک تاریخی واقعہ سمجھ کر "نوائے وقت" کے کالموں میں ریکارڈ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

شیخ محمد اشرف نے فرمایا یہ اس صدی کے چوتھے عشرے کے آخری مہینے تھے جب کانگرس کے مقابلے میں مسلم لیگ کی طاقت روز افزوں زور پکڑتی۔ میں پکا کانگرسی تھا اور حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کو نہ صرف مذہبی طور پر بلکہ سیاسی طور پر بھی دل سے اپنا پیشوا تسلیم کرتا تھا۔ حضرت مولانا ان دنوں انڈین نیشنل کانگرس کے صدر تھے۔ مجھے قدرتی طور پر مسلم لیگ کی اس بڑھتی ہوئی مقبولیت پر پریشانی تھی۔ اور میں دل میں طرح طرح کے منصوبے بناتا رہتا تھا۔ اسی اثنا میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا دہلی سے پشاور تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مولانا سے

لاہور ریلوے سٹیشن پر ملاقات کا پروگرام بنایا۔

چنانچہ جس روز مولانا کی ٹرین دہلی سے لاہور پہنچنے والی تھی۔ میں اپنے دوسرے دو ہم خیال دوستوں مولانا خدا بخش (جن کا اب انتقال ہوچکا ہے) اور خواجہ عبدالوحید (جو خدا کے فضل وکرم سے کراچی میں زندہ سلامت ہیں) کو ساتھ لے کر ریلوے سٹیشن پر پہنچ گیا۔ ریلوے سٹیشن پر پہنچے تو وہاں مولانا سے ملاقات کے لئے امیدواروں کا بڑا اژدہام پایا۔ اس لئے تینوں نے ریلوے ٹکٹ خرید لئے تاکہ مولانا کے ساتھ ہی ٹرین میں سوار ہو جائیں۔ اور جب موقع پائیں مولانا کے ساتھ مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کے مسئلہ پر تبادلۂ خیالات کریں ـــــ یہ موقع ہمیں وزیر آباد گذر جانے کے بعد ملا جب ان سے ملاقات کرنے والے اپنی اپنی کہہ سن چکے تو میں نے مولانا سے عرض کیا کہ:

"پنجاب میں مسلم لیگ کا زور دن بدن بڑھتا جارہا ہے اس سے نیشنلسٹ خیال کے مسلمانوں کے کام کرنے کے راستے میں بے شمار دقتیں پیدا ہوگئی ہیں۔ اس لئے جب تک مسلم لیگ کے اس بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو ختم کرنے کے لئے موثر تدابیر اختیار نہیں کی جائیں گی۔ پنجاب میں کانگرس اور اس کے ہم نواؤں کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔"

مولانا نے ہماری باتیں بڑے سکون اور اطمینان سے سننے کے بعد فرمایا:

"بھائی مسلم لیگ کو کمزور کرنا دانشوری کی بات نہیں۔ بلکہ یاد رکھو جب تک مسلم لیگ طاقت نہیں پکڑے گی اس وقت تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں سیاسی مفاہمت کا راستہ ہموار نہیں ہوسکتا مسلم لیگ کو مضبوط ہونے دو تاکہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی جماعت مضبوطی کے ساتھ کانگرس سے بات کر سکے۔"

شیخ محمد اشرف صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا ابوالکلام کا یہ ارشاد سن کر ہم پر گھڑوں پانی پھر گیا۔ ہم تو ان سے اس امید پر بات کرنے گئے تھے کہ وہ مسلم لیگ کے صدر کو جلی کٹی سنا کر ہمیں پنجاب میں مسلم لیگ سے لڑنے اور کانگرس کو مضبوط بنانے کے لئے کوئی موثر منصوبے بتائیں گے۔ لیکن مولانا نے مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کی ضرورت پر وعظ فرما کر الٹی گنگا بہادی۔ لیکن شیخ صاحب کی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ مولانا مرحوم قیام پاکستان کے بعد بھی اپنے ملنے والے پاکستانی مسلمانوں کو یہی مشورہ دیا کرتے تھے کہ اب پاکستان بن گیا ہے تو اسے مضبوط بناؤ۔ یہی ہماری بھی حفاظت کا ضامن ہوگا۔

عبداللہ شملوی حال اسلام آباد نے میاں محمد شفیع صاحب کے بیان (گذشتہ صفحہ) پر تحریر فرمایا ہے کہ وہ اس بیان کو قابل یقین سمجھتے ہیں اور اپنا ایک واقعہ اپنے مضمون روزنامہ نوائے وقت مورخہ ۵/دسمبر ۷۶ء میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:۔

غالباً آخر ستمبر ۱۹۴۷ء کی بات ہے کہ مولانا شملے تشریف لائے اور سرکاری کوٹھی "ری ٹریٹ" میں فروکش ہوئے شملہ اس وقت فسادات کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ منتشر مسلمان سمٹ سمٹا کر چند قدیم مسلم محلوں میں جمع ہوگئے تھے مولانا کا آنا ایک گونہ ڈھارس کا باعث ہوا۔ چنانچہ روزانہ سہ پہر کے وقت مقامی لوگ ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے مسلمان زیادہ ہندو کم۔ مگر پھر بھی خاصی تعداد میں۔ مولانا دوسروں کی سنتے تھے اور کچھ اپنی بھی سنا دیتے تھے۔ ایک دن ایک دل جلے نیشنلسٹ مسلمان نے ان پُرآشوب حالات کا ذمہ دار پاکستان کو ٹھہرایا۔ جواباً مولانا نے جو کچھ فرمایا اور علی الاعلان کہا تو ہندو تو ایک طرف اچھے اچھے مسلمانوں کے حواس گم ہو گئے۔ مولانا کا قول کم و بیش انہی کے الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا:

"دنیا جانتی ہے کہ ہم لوگ نیشنلسٹ مسلمان کے نام سے بدنام ہیں ہم نے کھلے بندوں پاکستان کی مخالفت کی کہ ہماری نظر میں اس میں کچھ مسلمانوں کا تو بے شک فائدہ تھا مگر بہت سوں کو اس سے کہیں زیادہ نقصان۔ اور رہا اسلام تو اس کا فائدہ معلوم۔ لیکن ہم نیشنلسٹ مسلمان ہیں اور مسلمان کی شرطِ اول ہے تسلیم۔ پاکستان بن گیا یعنی مشیت الٰہی کو یہی منظور تھا۔ اب ہمارا اسلامی فرض ہے کہ مشیت کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیں۔ اسے دل و جان سے قبول کریں۔ اور اس قبول کا حق ادا کریں۔ ضرورت ہے کہ ہمارا دل و دماغ ہر طرف سے پاکستان جائے۔ اس کو بنائے اور اسنوارے تاکہ پاکستان کی عمارت رفیع الشان ہو۔ دیکھنے دکھانے کے قابل ہو۔ قربانیوں کا قرار واقعی صلہ ہو۔ بلکہ پاکستان ایک سنگین اور اَلمٹ قلعہ ہو۔ اس لئے کہ پاکستان نہ بنتا تو مضائقہ نہ تھا لیکن بن کر ٹوٹ گیا تو پھر ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ نہ اِدھر کے مسلمان اور نہ اُدھر کے مسلمان۔ بربادی ہمارا قومی مقدر ہوگا۔"

اس پر ایک صاحب نے کہا کہ پھر تو آپ کو بھی پاکستان چلنا چاہیئے۔ مولانا کا جواب تھا کہ یہ نہ بھولئے کہ ہندوستان میں بھی مسلمان رہیں گے ان کی ضروریات بھی کچھ کم نہیں۔ پاکستان بنانے والے اُن کے کام نہیں آسکیں گے۔ اس پہ ہندوستانی مسلمان حاضرین نے بھی دانتوں میں انگلیاں دے لیں۔

اس واقعے کے گواہ پروفیسر قدرت اللہ فاطمی بھی ہیں (احقر عبداللہ شملوی اسلام آباد)

۴۔ اسی طرح آپ نے ڈاکٹر محمد باقر صاحب جو تقسیم ملک کے وقت مرکزی حکومت ہند میں ملازم تھے مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی خدمات پاکستان حکومت کو دے دیں اور انہوں نے یہ مشورہ قبول کر لیا۔ اور پاکستان آگئے۔ مولانا آزاد اس نو تخلیق شدہ اسلامی ملک کو تجربہ کار اور لائق افراد کی بہتر کارکردگی سے مضبوط بنانے کے لئے مشورہ دیتے رہے۔

۵۔ پروفیسر مرزا محمد منور صاحب اپنے ایک مضمون بعنوان "بحث و نظر" شائع شدہ روزنامہ "نوائے وقت" ۱۳ر مارچ ۱۹۷۳ء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"پاکستان وجود میں آگیا ہے تو اب اسے باقی رہنا چاہئے۔ اس کا بن کر بگڑ جانا سارے عالم اسلامی کی شکست کے برابر ہوگا"

مولانا ابوالکلام آزادؒ کے اس قول کی تشریح مزید کے لئے مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں جو اختصار سے پیش کرتا ہوں:۔

"۱۹۵۳ء کا جولائی یا اگست کا مہینہ تھا کہ میرے استاد مرحوم و مغفور ڈاکٹر برکت علی قریشی مری کے سیسل ہوٹل میں قیام پذیر تھے آپ ان دنوں یونیورسٹی اورنٹیل کالج کے پرنسپل تھے اور مری میں تعطیلات گرما بسر کر رہے تھے میں ان کی خدمت میں کیریکٹر سرٹیفکیٹ لینے کی خاطر حاضر ہوا تھا۔ وہ ان دنوں ابن خلدون پر کوئی کتاب انگریزی میں تحریر فرما رہے تھے"....

اس کے بعد ان سے تفصیلی بات چیت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"میرے استفسار پر کہ پاکستان حکومت نے اُن کو کس کی سفارش پر شام میں ناظم الامور بنا کر بھیجا؟ فرمانے لگے۔ میں نے بھارت کی ایک پیش کش مسترد کر دی تھی۔ وہ پیش کش یہ تھی کہ اگر میں بھارت کا شہری رہوں، پاکستان سے واپس چلا جاؤں تو مجھے کسی عرب ملک میں بھارت کا سفیر بنا دیا جائے گا۔ جب میں نے بھارت کی یہ پیش کش مسترد کر دی تو اس امر کی اطلاع کسی طرح پاکستان گورنمنٹ کو بھی ہوگئی۔ چنانچہ میرے اس ایثار کا ایک حد تک بدلہ چکانے کے لئے مجھے ناظم الامور بنا کر شام بھیج دیا سفیر تو بہر حال نہ بنایا اور ناظم الامور بھی زیادہ دیر تک نہ رہنے دیا"

اس کے بعد پروفیسر منور صاحب لکھتے ہیں:

"میں نے ان سے کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے، آپ نے اچھا کیا، آپ بھارت نہ گئے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب بولے، عزیز من! میں تو جا رہا تھا، مجھے مولانا ابوالکلام نے منع کر دیا۔ پھر وہ لکھتے ہیں۔ یہ سن کر میں چونکا اور پوچھا، انہوں نے کیوں روکا؟ میرے اس سوال پر ڈاکٹر صاحب نے بوضاحت فرمایا میرے عزیز! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں پرانا کانگرسی ہوں۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور شعیب قریشی جو ماسکو میں ہمارے سفیر ہیں، آصف علی اور مولانا آزاد اور پنڈت جواہر لال نہرو میرے بے تکلف احباب میں سے ہیں۔ دلی میں جو نیشنل ہائی سکول کانگرس کی زیر سرپرستی وجود میں آیا تھا۔ اس اسکول کا پہلا ہیڈ ماسٹر آصف علی تھا اور دوسرا میں۔ جب تقسیم برصغیر عمل میں آگئی تو چند ماہ بعد پنڈت جی (نہرو) کی طرف سے پیغام آیا کہ میں ان سے ملوں۔ چنانچہ میں دلی گیا اور پنڈت جی سے ملا۔ مجھ سے پنڈت جی نے کہا کہ قریشی صاحب! آپ وطن تشریف لے آئیں۔ آپ کی خاصی جائداد

ہے۔ یوپی میں بھی اور گلمرگ (کشمیر) میں بھی۔ آپ یہاں آرام سے رہیں گے۔ جائیداد بھی محفوظ رہے گی۔ آپ کالڑکا ہماری سب سے بڑی ہاکی ٹیم کا رکن ہے۔ آپ پاکستان میں کیا کر رہے ہیں۔ آپ یہاں آئیں آپ ہمارے پرانے رفیق ہیں۔ آپ کسی عرب ملک میں بھارت کی سفارت کے فرائض انجام دیں۔ بھارت کو آپ کی ضرورت ہے، وغیرہ وغیرہ"

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"پنڈت جواہر لال نہرو کے یہ الفاظ دہرانے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے تاسف کے ساتھ ذکر کیا کہ ان کا فرزند ارجمند ہاکی کا تو نہایت اچھا کھلاڑی ہے۔ مگر اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکا۔ اسی ذیل میں انہوں نے یوپی (صوبجات متحدہ بھارت) اور کشمیر میں اپنی جائیداد کا ذکر کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ انہوں نے پنڈت نہرو کی پیش کش قبول کر لی تھی"

اس پر پروفیسر صاحب نے ان سے پوچھا کہ اس کے بعد یہاں رک جانے کی کیا وجہ ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا :۔

"پنڈت جی کے ساتھ اس طویل اور کاروباری ملاقات کے ایک دو روز بعد مولانا ابو الکلام آزاد سے میں ملنے چلا گیا۔ انہوں نے باتوں باتوں میں پوچھا۔ جواہر لال سے بھی ملاقات ہوئی؟ میں نے عرض کیا جی ہوئی ہے۔ پوچھا کیا باتیں ہوئیں؟ ان کے اس سوال سے مجھے احساس ہو گیا کہ شاید پنڈت جی نے مولانا سے میری اور اپنی ملاقات کی روداد بیان کر دی ہے۔ ویسے میں خود بھی مولانا سے مفصل ذکر کئے بغیر نہ رہتا۔ جب میں نے مولانا کو پنڈت جی کی پیش کش کے بارے میں اطلاع دی، اور یہ بھی بتایا کہ میں نے وہ پیش کش قبول کر لی ہے تو مولانا نے جواب دیا۔ میرے بھائی! یہ آپ نے ٹھیک نہیں کیا۔

یہاں ڈاکٹر صاحب نے وضاحت کی کہ مجھے یہ توقع نہ تھی میرا خیال تھا کہ مولانا خوش ہوں گے کہ میں بھارت آرہا ہوں۔ بہر حال نیم حیرت زدگی کے عالم میں، میں نے مولانا سے دریافت کیا، میرا فیصلہ کیوں ٹھیک نہیں؟ اس پر مولانا نے فرمایا اور ان کے وہ الفاظ میرے دل پر کندہ ہیں۔

"میرے بھائی! ہم نے تقسیم ہند کی مخالفت کی تھی اور کئی اسباب میں سے ایک سبب اس کی مخالفت کا یہ خوف تھا کہ اس تقسیم کے ساتھ ملت اسلامیہ بھی تقسیم ہو جائے گی۔ اور اس کی طاقت گھٹ جائے گی۔ مگر ملت کی اکثریت نے ہماری رائے (لفظ ملت قابل نوٹ ہے) کے خلاف فیصلہ دیا۔ ہم ہار گئے اور پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ پاکستان معرض وجود میں نہ آتا تو اور بات تھی اور اب ظہور میں آگیا ہے تو ہر دوسرے اسلامی ملک کی طرح یہ بھی عزیز ہے۔ بلکہ دوسرے ممالک سے بڑھ کر عزیز ہے۔ اب اسے باقی رہنا چاہئے۔ اس کا بن کر بگڑنا سارے عالم اسلام کی شکست کے برابر ہوگا

اس کا وجود میں آ کر نا پید ہو جانا سارے عالم اسلامی کی توہین ہوگا - اب آپ لوگ بھارت کی طرف نہ دیکھیں اب آپ پاکستان کو مضبوط بنائیں - ہم یہاں آپ لوگوں کی بہتری کے لئے دعا کرتے رہیں گے۔"

۵- ولی محمد صاحب ساکن سرگودھا اپنے ایک مراسلہ "نوائے وقت" مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۷۲ء میں بعنوان " مولانا ابوالکلام آزاد اور پاکستان" تحریر فرماتے ہیں -

" اعلان آزادی مورخہ ۳ رجون کے بعد حضرت مولانا ابوالکلام آزاد شملہ میں قیام فرما تھے - ۲۶ رجولائی کو شملہ کے کم وبیش ۲۵/۳۰ مسلمان شہریوں کا ایک وفد جس میں میں بھی شامل تھا حضرت مولانا سے ملاقی ہوا - مولانا نے گفتگو کا آغاز بعد از علیک سلیک یوں کیا :-

"الحمد للہ ! ملک، پاکستان اور ہندوستان ، دو مملکتوں کے طور پر آزاد ہو گیا - اب ہمارے سیاسی نظریات کے اختلاف بھی ختم ہو گئے - میرا محمد علی جناح صاحب سے اختلاف دو سیاسی نظریات کا اختلاف تھا - اپنے اپنے نظریے میں ہم پر خلوص تھے - قوم نے ایک نظریہ قبول کر لیا اور ایک رد کر دیا اس فیصلے کو میں صدق دلی سے قبول کرتا ہوں میری تمنا اور دلی دعا ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کیا ہوا پاکستان مستحکم اور مضبوط ہو اور ترقی کرے - خدانخواستہ اب اگر پاکستان میں کسی قسم کی خرابی پیدا ہوئی تو بدنام اسلام ہوگا - بہر حال میری دعا ہے کہ پاکستان اسلامی مملکت بنے "

سرکاری ملازمین میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور بعض افسر اپنی خدمات پاکستان کے سپرد کرنے سے ہچکچاتے تھے بلکہ بعض نے ہندوستان لکھ کر دے دیا - اور کلرک ، چپڑاسی ، بیچارے خواہ اقلیتی صوبوں کے تھے وہ پاکستان لکھوا رہے تھے - میں نے مولانا کو اس امر پر توجہ دلائی تو فرمایا :-

" میرے بھائی ! پاکستان میں کلرکوں ، چپڑاسیوں کی کمی نہیں - پنجاب یونیورسٹی نے دس ہزار میٹرک پاس کلرک پیدا کر دئیے ہیں - ضرورت اُن لوگوں کی ہے جو صاحب ہنر ہوں ، جن کو انتظامی امور کا تجربہ ہو جو نظام حکومت کو بہتر طور پر چلا سکیں ، منصوبہ بندی کے ماہر ہوں - ہر ایک شخص جو کسی قسم کے بھی فن کا ماہر ہو جس سے پاکستان شاہراہ ترقی پر چل سکے اپنا نام پاکستان کی خدمت کے لئے لکھانا چاہتے وغیرہ "

ایک دوست کے اس سوال پر کہ حضرت ! آئی - سی - ایس (انڈین سول سروس) (اب پاکستان سول سروس) قسم کے لوگ تو ہندوستان کے سپرد اپنی خدمات کر رہے ہیں ، ہم کیا کریں ؟

فرمایا - " بھائی ! اس قسم کے لوگ پہلے کون سا قومی جذبہ رکھتے تھے ، جو اب توقع رکھتے ہو !

۶- جب تقسیم ملک کے بعد مسلمان ہندوستان سے خوف وہراس کے عالم میں بھاگنے لگے - تو اُن کو دہلی کی شاہ جہاں

کی مسجد میں بلاکر تقریباً ۵۰ ہزار کے مجمع سے خطاب فرمایا اور باتوں کے علاوہ فرمایا :-

" یہ دیکھو مسجد کے مینار تم سے جھک کر سلام کرتے ہیں کہ تم نے اپنی تاریخ کے صفحات کو کہاں
گم کردیا ہے؟ ابھی کل کی بات ہے کہ یہیں جمنا کے کنارے تمہارے قافلوں نے وضو کیا تھا اور آج
تم ہو کہ تمہیں یہاں رہتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے حالاں کہ دہلی تمہارے خون سے سینچی ہوئی ہے۔
عزیزو! تبدیلیوں کے ساتھ چلو۔ یہ نہ کہو کہ ہم اس تغیر کے لئے تیار نہ تھے، بلکہ تیار ہو جاؤ
ستارے ٹوٹ گئے لیکن سورج تو چمک رہا ہے۔ اس کی کرنیں مانگ لو۔ اور ان اندھیری راہوں
میں بچھا دو جہاں اُجالے کی سخت ضرورت ہے۔ بادِ صرصر اٹھی تو رُخ پھیر دیا۔ آندھیاں آئیں تو ان سے
کہا تمہارا راستہ یہ نہیں ہے۔ یہ ایمان کی جان کنی ہے کہ شہنشاہوں کے گریبانوں کے تار پیچ
رہے ہو اور خدا سے اس درجہ غافل ہو گئے کہ جیسے اس پر کبھی ایمان ہی نہ تھا۔
عزیزو! میرے پاس تمہارے لئے کوئی نیا نسخہ نہیں ہے۔ چودہ سو برس پہلے کا پرانا نسخہ ہے،
وہ نسخہ جس کو کائنات انسانی کا سب سے بڑا محسن لایا تھا۔ اور اس نسخہ - قرآن کا یہ اعلان تھا
وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝
آج کی صحبت ختم ہو گئی، مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ اختصار کے ساتھ کہہ چکا، پھر کہتا ہوں، بار
بار کہتا ہوں اپنے حواس پر قابو رکھو، اپنے گرد و پیش اپنی زندگی خود فراہم کرو۔ یہ منڈی کی چیز
نہیں کہ تمہیں خرید کرا دوں۔ یہ تو دل کی دکان ہی سے اعمالِ صالحہ کی نقدی پر دستیاب ہو سکتی
ہے۔ والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' ۔

ذبیاں ز نطق فرو ماند و راز من باقی است
بضاعتِ سخن آخر شد و سخن باقی است

<u>مولانا آزاد اور غیرتِ ملّی</u> | تقسیم برصغیر کے فیصلے کے مطابق ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے جشنِ آزادی سے تین چار دن پہلے
چودھری خلیق الزمان - نواب اسمٰعیل خاں میرٹھی کی معیت میں مولانا آزاد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیش آمدہ حالات
کی تلخیوں کا گلہ کرتے ہوئے تجویز رکھی کہ ۱۲ اگست کو دہلی میں مسلمانوں کا ایک اجتماعِ عظیم کرکے سردار پٹیل اور پنڈت
نہرو کو سپاسنامہ پیش کرنا چاہئے۔ مولانا نے فرمایا :

" میرے بھائی! خوشامد کا یہ کاغذی نوشتہ پیش آمدہ مسائل کا حل نہیں ہے۔ ہم اپنی قوم کی خودی
کو داغدار کئے بغیر اپنی مشکلوں پہ قابو پا سکتے ہیں "

<u>مولانا آزاد اسلامی حمیت کی للکار تھے</u> | آپ نے ہندوستان کے بت کدے میں اس وقت نعرۂ حق و صداقت بلند
کیا جب اچھے اچھوں کی زبانیں بھی ذکرِ حق کے نام سے گنگ ہو جاتی تھیں۔ مولانا آزاد کانگریس (ہندو اکثریت کی جماعت)

میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی خودی اور اسلام کی سربلندی کے لئے علی الاعلان کلمہ حق کہتے رہے۔ جہاں تک دو قومی نظریے کا تعلق ہے مولانا آزاد نے کبھی اس سے انکار نہیں کیا۔ البتہ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ برعظیم کی مختلف اقوام کو متحد ہو کر بحیثیت ہندوستانی انگریز سامراج کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ پاکستان میں ہندو، عیسائی، قادیانیوں، اور مسلمانوں کو ملا کر پاکستانی قومیت کا نام لیا جاتا ہے۔

کانگرس میں شمولیت کے باوجود مولانا آزادؒ کے کارنامے | ماخوذ و اختصار از مضمون ملک عنایت اللہ نسیم سوہدروی شائع شدہ ہفت وار "چٹان" مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۷۵ء

• اگر کانگرس میں شامل ہونا قابل مواخذہ ہے تو کون سا ایسا رہنما تھا جو کانگرس میں شریک نہیں ہوا۔ یہ مولانا آزاد ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں کی بہتری کے لئے (کرپس سکیم) مرکز کو کمزور کر کے صوبائی آزادی کو اس حد تک رکھے جانے کا اہتمام کیا کہ مسلمان ہندوستان کے گیارہ صوبوں میں سے پانچ صوبوں کو لیں۔ اس طرح سے انہوں نے کرپس (CRIPS) سکیم کے لئے راہ صاف کی۔ جسے مسلم لیگ نے بھی تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد خود مولانا تقسیم کی ساری ذمہ داری نہرو اور اس کے ساتھیوں پر ڈالتے ہیں۔ گویا مولانا مسلمانوں کے حقوق کی پاسبانی اپنا فرض جانتے تھے۔ انہوں نے بھارت میں بچے کھچے مسلمانوں کا دفاع کیا۔ ان کا خطبہ بادشاہی مسجد جو پچھلے صفحات میں آچکا ہے اس دفاع کا نقطہ آغاز تھا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ان کی زندگی میں ہندو عزائم سے محفوظ رہی۔ مشرقی و مغربی پاکستان کے ہر مسلمان کو تلقین کی کہ اب جب کہ پاکستان قائم ہو چکا ہے۔ اس کی حفاظت و استقلال کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے جو اس خطے میں رہتے ہو۔ مولانا نے ہندوستان کے قابل اور اہل مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ پاکستان جا کر اس کو مضبوط بنانے کی کوشش کریں۔ اور ہندوستانی حکومت کو پاکستانی حکومت سے بہتر تعلقات قائم کرنے پر زور دیا۔ یہاں تک کہ مولانا جب مشرق وسطیٰ کے دورے پر گئے تو واپسی پر کراچی آئے اور قائداعظم کے مزار پر پھول چڑھائے اور فاتحہ خوانی کی۔

مولانا اکثر فرماتے کہ پاکستان بن چکا۔ اس کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مولانا آزاد ہی تھے جنہوں نے ہمیشہ مسلمان ہونے پر فخر کیا اور انگریزی حکومت کے سامنے بیان دیتے ہوئے صاف صاف کہا کہ:

میں مسلمان ہوں اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں ظالم حکومت کی مخالفت کروں اور یہ ایمان کی کم سے کم علامت ہے۔ اسلام اور غلامی دو متضاد چیزیں ہیں جو کبھی یک جا جمع نہیں ہو سکتیں۔"

<u>رام گڑھ کانگرس اور مولانا آزاد کا خطبۂ صدارت</u> "فرمایا میں مسلمان ہوں اور فخر سے اعلان کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں کہ اسلام کی تیرہ سو سالہ روایتیں میرے حصہ میں آئی ہیں۔ میں یہ نہیں کرسکتا کہ اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ ضائع کر دوں۔ اسلام کی تاریخ، اسلام کی تعلیم، اسلام کی دولت، اسلام کے جملہ اصول، اسلام کی تہذیب میری دولت ہے اور یہ میرا فرض ہے کہ میں اس کی حفاظت کروں۔ مذہبی اور ثقافتی دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں۔ میں برداشت نہیں کرسکتا کہ اس میں کوئی کسی قسم کی مداخلت کرے۔"

<u>دہلی میں کانگرس کا خاص اجلاس</u> دہلی میں کانگرس کے خاص اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ "میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تمام لوگوں کے خلاف اپنی صدا بلند کروں جو ہندو سنگٹھن تحریک کے علمبردار ہیں۔ آج کسی سنگٹھن کی ضرورت نہیں۔ جو ہندوانہ تحریک کی تائید کرتے ہیں مجھے ان کی حیثیت سے انکار ہے۔"

شدھی کے متعلق فرمایا۔

"اگر ہندوستان میں اس قسم کی صدائیں اٹھتی رہیں تو کامیابی محال ہے۔"

<u>تحریک آزادی، اشتراک قومی</u> تحریک آزادی میں دونوں قوموں کے اشتراک کے سب قائل تھے جس کے لئے قائد اعظم نے بھی کوشش کی مگر ہندو تعصب کی وجہ سے ناکام رہے اور آخر ان کو ماننا پڑا کہ دونوں قوموں کا حل تقسیم ملک ہی ہے۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے ۱۶ رمئی کی سکیم منظور کر کے اس امر کی راہ بھی پیدا کی کہ شاید دونوں قومیں باہمی اشتراک سے رہ سکیں۔ مگر ہندو اس پر بھی تیار نہ ہوئے اور تقسیم پر ہندو نے اس لئے صاد کیا کہ شاید اس سے احیاء پاکستان جو نصف پنجاب اور نصف بنگال پر مشتمل ہوگا۔ کامیاب نہ ہوسکے گا۔ مولانا آزاد صوبوں کی تقسیم کے قطعی مخالف تھے اور ہندو عزائم کے قطعی خلاف تھے۔

<u>وفات</u> اس عبقری زمانہ کی وفات حسرت آیات فالج کے حملہ سے ہوئی میں نے اپنی اسی بیاض میں آپ کے دستخط کے نیچے یہ نوٹ لکھا ہوا ہے۔

"۵۸-۳-۲۰ آج صبح انڈیا ریڈیو نے حضرت مولانا آزادؒ پر فالج کے حملہ کی المناک خبر سنائی۔"

باقی ص۱ پہ